محترم چودھری ثناء اللہ بھٹہ (بساطِ ادب، لاہور)

چودھری برکت علی مرحوم

دوسال پہلے عزیزی محمد خالد و عزیزہ صدیقہ بیگم دختر چودھری برکت علی مرحوم کو ایک نجی محفل میں چودھری برکت علی مرحوم سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا تو وہ بضد ہوئے کہ سارا واقعہ تحریر کر کے دیا جائے۔ مجھے یاد نہیں پڑ رہا تھا کہ آل انڈیا احرار کانفرنس منعقدہ بٹالہ (ضلع گورداسپور) کس سن میں منعقد ہوئی تھی اس کا صحیح تعین کرنے میں دو سال گذر گئے۔ پرانے ساتھی اللہ کو پیارے ہو گئے، جن سے ملاقات ہوئی وہ بھی تذبذب میں تھے۔ بہر حال اب سن کا تعین ہو جانے پر یہ یادداشت تحریر کی گئی ہے۔ مرحوم چودھری صاحب موجودہ دور کی مشہور سیاسی شخصیت، سابق گورنر اور وزیر اعلیٰ پنجاب حنیف رامے کے چچا تھے۔

شروع اپریل ۱۹۳۷ء کی بات ہے کہ بٹالہ ضلع گورداسپور میں آل انڈیا احرار کانفرنس کا انعقاد ہو رہا تھا۔ کانفرنس کی صدارت سی، پی (بھارت) کے بیرسٹر عزیز احمد نے کرنا تھی۔ ان کا خطبۂ صدارت احرار کی اعلیٰ ترین پالیسی ساز کونسل میں منظوری کے لئے زیر بحث تھا۔ کیونکہ طریقہ کار کے مطابق آئندہ سال کے لئے جماعت کی پالیسی کا تعین اس سالانہ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں ہونا تھا۔ اس لئے کانفرنس کے کھلے اجلاس میں پیش ہونے سے پہلے جماعت کی جنرل کونسل میں پاس کیا جاتا تھا۔

اس زمانہ میں روس میں مروجہ سوشلزم سیاسی محفلوں کا مرغوب موضوع تھا اور ہندوستان میں ہر سیاسی جماعت اس نظام زندگی کے متعلق اپنا نقطۂ نگاہ طے کرنا ضروری سمجھتی تھی۔ عزیز احمد بیرسٹر بھی حالات و ماحول کے تقاضوں کے زیر اثر سوشلزم سے متاثر تھے اور انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس نظام کے بعض گوشوں پر خوشگوار انداز میں بحث کر کے مجلس احرار اسلام کو آئندہ کی جماعتی پالیسی میں ان نظریات کو قبول کرنے کی ترغیب دی تھی۔ آل انڈیا مجلس احرار اسلام کی جنرل کونسل خطبہ صدارت کا شق وار تجزیہ کر کے آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دینے میں مشغول تھی۔ اجلاس میں تقریباً تین سو سے زائد ملک بھر سے آئے ہوئے مندوبین اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے میں مصروف تھے۔

میں اس وقت احرار رضاکار کی حیثیت سے اس اجلاس میں شرکاء کی فوری ضروریات مہیا کرنے پر مامور تھا۔ بحث ہنگامہ پرور تھی۔ ہر شق پر بڑے کھلے دل و دماغ سے اظہار خیال ہو رہا تھا۔ اجلاس میں ایک درمیانہ قد کے گھٹے جسم کے پہلوان بہت زیادہ تیز انداز میں بحث میں حصہ لے رہے تھے۔ بلکہ بعض اوقات وہ کسی دوسرے مقرر سے الجھ بھی پڑتے تھے۔ وہ سوشلزم کے موضوع پر بیرسٹر عزیز احمد صاحب کے ہم نوا تھے۔ اور چاہتے تھے کہ احرار کی مستقبل کی پالیسی سوشلزم کی روح کو قبول کر کے بنائی جائے۔ چند ایک اور حضرات بھی ان کے ہم خیال تھے۔ لیکن اکثریت احرار کے دینی مزاج کی روشنی میں اس نظام زندگی کی مخالف تھی۔

کیونکہ وہ تو خالص اسلامی نظام حکومت (حکومتِ الٰہیہ) کے داعی تھے۔ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ میں نے محسوس کیا کہ اس اجلاس کے بعد احرار میں وسیع پیمانے پر اختلافات پیدا ہو جائیں گےاور جماعت انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ چنانچہ میں نے اجلاس کے باہر اپنے ساتھیوں سے اس خدشہ کا اظہار کیا تو ان میں میرے حقیقی چچا مستری محمد ابراھیم صاحب سالار احرار ضلع گورداسپور بھی تھے۔ وہ ایسے کئی مناظر پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ کیونکہ وہ خلافت تحریک کے زمانہ میں بھی ضلع گورداسپور کے رضاکاروں کے سالار رہ چکے تھے۔ انہوں نے مجھے تسلی دی کہ کچھ نہیں ہوگا فکر نہ کرو۔ اندر جو کچھ ہو رہا ہے یہ احرار کی روایات کا خاصہ ہے۔ یہاں ہر معاملہ پر کھلے دل سے بحث ہوتی ہے۔ لیکن فیصلے ہو جانے پر لب شیرو شکر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہی ہوا کہ جب اجلاس ختم ہوا تو تمام حضرات ایک دوسرے کو بغل میں لئے ہوئے کمرہ سے باہر آرہے تھے۔ میں نے چچا جان سے پوچھا کہ اجلاس میں وہ صاحب کون تھے جو سب سے زیادہ بحث کر رہے تھے اور بڑے ہی دبنگ انداز میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنی قوت گویائی کا بھرپور اظہار کر رہے تھے۔ تو انہوں نے بتایا کہ یہ لاہور سے چودھری برکت علی صاحب ہیں جو بہت بہادر، نڈر اور اپنی رائے کو منوانے کے لئے بے پناہ دلائل سے بہرہ مند ہیں۔ جماعت کے جی دار نوجوانوں کے سرخیل ہیں۔ پھر انہوں نے مجھے چودھری صاحب سے متعارف کرایا یہ چودھری برکت علی صاحب سے میری پہلی ملاقات تھی۔ پھر جب ۱۹۴۲ء میں، میں آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے مرکزی دفتر میں بطور آفس سیکرٹری مقرر ہوا تو شب و روز ان سے واسطہ رہا۔ میں نے انہیں انتہائی مخلص اور مشن سے انتہاء محبت کرنے والا پایا۔ ان کی رائے میں پختگی سوچ میں راست بازی۔ عمل میں انتھک اور مقصد کے حصول میں بے دریغ دیکھا۔

چودھری صاحب مرحوم سوشلزم سے کافی متاثر تھے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے اشاعتی ادارے "پنجاب بک ڈپو" سے بے شمار کتب اور کتابچے سوشلزم کی تحریک کے لئے مختلف ترقی پسند مصنفین سے لکھوائے اور چھاپے۔ ان رجحانات کے باوجود وہ ہندوستان کی سیاسی فضا میں احرار سے ہی محبت کرتے تھے اور دامے درمے سخنے مدد بھی فرماتے تھے۔ وہ ایک طویل عرصہ تک مجلس احرار اسلام لاہور کے صدر بھی رہے۔ ۱۹۴۶ء میں، میں نے دفتر احرار سے الگ ہو کر اپنا ذاتی اشاعتی ادارہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن کم مائیگی کے باعث کامیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ ملک کے مشہور اشاعتی ادارے "شیخ غلام علی اینڈ سنز" سے بحیثیت منیجر منسلک ہو گیا۔ یہ ظاہری طور پر تو ملازمت ہی تھی لیکن فرم کے مالک شیخ نیاز احمد صاحب کی محبت اور اعتماد کے باعث میں اس خاندان کا ایک فرد بن گیا۔ پوری لگن سے پانچ سال تک ان تعلقات کو نبھایا لیکن ایک دفعہ پھر اپنا ادارہ بنانے کا عزم کیا اور "مکتبہ جہان نو" کے نام سے عرب ہوٹل ریلوے روڈ کے متصل اسلامیہ کالج کے سامنے اپنا کاروبار شروع کیا جو آجکل "بساط ادب" کے نام سے ادبی مارکیٹ چوک انار کلی ۱۹۹ سرکلر روڈ پر برسرکار ہے۔ اتفاق سے انہی دنوں لاہور کے ۸/۹ چیدہ مسلم ناشران کتب کے باہمی اشتراک سے قائم

شدہ "پبلشرز یونائیٹڈ" کے اردو سیکشن واقع چوک انار کلی سر کلر روڈ میں ملازمین کی باہمی شکر رنجی اور کچھ حصہ داروں کی ذاتی اغراض سے مناقشات نے سر اٹھایا۔ اس سیکشن کے منیجر کا مسئلہ حصہ داران کے لئے درد سر بن گیا۔ کیونکہ اس وقت ایک حصہ دار کے بیٹے وہاں منیجر تھے اور وہ کوشاں تھے کہ اس پر مکمل ان کا قبضہ ہو جائے۔ جبکہ چودھری برکت علی اور شیخ نیاز احمد کے علاوہ بعض دوسرے حصے دار کسی غیر جانبدار فرد کو بحیثیت منیجر مقرر کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی تو شیخ نیاز احمد صاحب نے خود تو براہ راست بات نہ کی لیکن چودھری برکت علی صاحب کے ذمہ لگایا کہ وہ مجھ سے رابطہ کر کے رضا مند کریں۔ احرار میں چودھری مرحوم کی دلچسپی اور بعد میں ذاتی مراسم کے باعث میں ان کی بہت عزت و توقیر کرتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حامی بھر لی۔ مجھے یاد فرمایا، میں پنجاب بکڈپو حاضر ہوا تو انہوں نے اس موضوع پر دکان کے اندر بات کرنا مناسب نہ سمجھا کہ بہت سے ادیب، فنکار، کاتب اور تاجر حضرات کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ چنانچہ وہ مجھے دکان سے باہر سڑک کے پار لگے ہوئے لکڑی کے جنگلے کے پاس لے گئے۔ میں حیران تھا کہ آج کونسی اہم بات کرنا مقصود ہے کہ اس طرح ہنگامہ آرائی سے ماورا گفتگو کے لئے جگہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ تقریباً دو گھنٹے ہم اس جگہ کھڑے کھڑے مصروف گفتگو رہے۔ مرحوم کا اصرار تھا کہ میں ان کی پیشکش کو قبول کر لوں۔

پیشکش میں اس زمانہ (۱۹۵۱ء) میں ۲۰۰ روپے ماہوار تنخواہ کے علاوہ کل منافع میں سے دو آنے فی روپیہ حصہ بھی شامل تھا۔ وقت کے مطابق یہ پیشکش انتہائی کشش انگیز تھی لیکن میں نے ان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ "غلام علی اینڈ سنز" میں صرف دو مالکان سے واسطہ تھا۔ یہاں ۹/۸ حضرات کی غلامی قبول نہیں کر سکتا۔ پھر انہوں نے اپنی بات ایک اور انداز میں مکمل کی کہ آپ پنجاب بکڈپو یا غلام علی اینڈ سنز یا فوجی کتب خانہ وغیرہ کی سج دھج اور کاروباری ساکھ کو نہ دیکھیں کہ یہ ان لوگوں کی سالہا سال کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ میرا جواب تھا کہ "چودھری صاحب، میں نے اگر آج پبلشرز یونائیٹڈ کی ملازمت کر بھی لی تو کتنے سال تک ہو گی۔ ۵ سال، ۱۰ سال، ۱۵، سال پھر مجھے اپنا کاروبار کرنا پڑے گا تو میں اب ہی یہ عرصہ اپنے ذاتی کاروبار کی ساکھ بنانے پر صرف کروں تو راستہ آسان ہو جائے گا"۔ مرحوم نے میری بات پر مجھے شاباش دی اور نیک دعاؤں کے ساتھ مجھے اپنے کام میں جُت جانے کا پیغام دیا۔ الحمدللہ کہ سالہا سال کی انتھک محنت اور بعض ناسا عد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے بعد میں اس جگہ ہوں کہ مجھے اس وقت کے فیصلہ پر فخر ہے۔

چودھری مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک مجھے عزیز رکھا اور ہر طرح کی کاروباری الجھنوں کے حل میں رہنمائی فرمائی۔ ان کی محبت، خلوص اور دل بستگی سے آج بھی دل کو فرحت نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

○